تحریکِ ختمِ نبوّت

شورش کاشمیری

تحریکِ ختمِ نبوّتؐ

(۱۸۹۱ء سے ۱۹۷۴ء تک)

شورش کاشمیری

مطبوعاتِ چٹان ═ میکلوڈ روڈ لاہور

واحد تقسیم کنندگان : الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب
[illegible] لاہور

مارچ 2003ء

کتاب : تحریک ختم نبوت

مصنف : شورش کاشمیری

مطبع : تعریف پرنٹرز، لاہور

ناشر : مطبوعات چٹان لاہور

اشاعت : چہارم

قیمت : -/125 روپے

واحد تقسیم کنندگان: الفیصل ناشران وتاجران کتب
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

والھند شلھا۔

علامہ اقبالؒ کے نزدیک سلطان کی شہادت ہندوستان میں مُسلمانوں کی عظمت کا حرفِ آخر اور اُنکے زوال کا وسط تھا۔ ہیسٹنگز، کلائیو کا جانشین تھا، اس کے ہاتھوں سنہ ۱۷۷۴ء میں روہیلوں کی خوفناک تباہی ہوئی اور ۵ لاکھ انسان بے گھر ہوئے۔ سنہ ۱۷۷۹ء میں نانا فرنویس، حیدر علی، نظامِ دکن اور مرہٹہ ریاستوں میں اتحاد ہوگیا۔ حیدر علی نے مدراس پر چڑھائی کی اور انگریزوں کو شکست دی۔ نانا فرنویس نے بمبئی پر حملہ کیا اور جنرل گوڈارڈ کو بھگا دیا۔ اس سے گھبرا کر وارن ہیسٹنگز نے اس اتحاد کو رشوت و ترغیب کی چالوں سے پارہ پارہ کیا۔ آخر سنہ ۱۸۰۴ء میں انگریز تاجر ہندوستان کی سب سے بڑی حکمران طاقت بن گئے۔ میسور ختم ہوگیا، مرہٹہ معدوم ہو گئے، حیدرآباد مفلوج ہوگیا اور اودھ کا نصف علاقہ اُن کے قبضہ میں آگیا۔ سنہ ۱۸۲۵ء میں ولیم بنٹنگ نے تاج محل کو گرا کر سنگِ مرمر فروخت کرنا چاہا، لیکن قلعہ آگرہ کی نیلامی تسلی بخش نہ ہوئی تو باز آگیا۔ میرانِ سندھ کو مغلوب کیا، ان کی بیگمات کا سونا لوٹا، ہندوستان کے باہر افغانستان پر چڑھائیاں کیں۔ سنہ ۱۸۴۲ء میں جنرل پالک کابل کے پُر رونق بازار کو آگ لگا کر واپس آگیا۔ سرحد میں حضرت سیّد احمدؒ، اور شاہ اسمٰعیلؒ کی شہادت (۶ مئی سنہ ۱۸۳۱ء) کے بعد اپریل سنہ ۱۸۴۹ء میں انگریزوں کی عملداری شروع ہوگئی۔ وہاں معرکۂ بالاکوٹ کی فتحیابی کے بعد سکھ حکمران تھے اور یہ سب ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قصرِ رفیع الشّان کے تدریجی انہدام و انحطاط کا نقشہ تھا، بالآخر سنہ ۱۸۵۷ء میں سلطنت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گُل ہوگیا۔ اور انگریز برِعظیم کے فرمانروا ہوگئے۔ بلاشبہ انگریز مستقبل کی ایک زنگا رنگ طاقت تھے۔ اُنہوں نے مُسلمانوں کو جسمانی طور پر مغلوب کیا۔ پھر مختلف معرکوں اور عیّاریوں کے بعد اُن کی حکومت کا ہر نشان مٹا ڈالا۔ مگر ہر نوعی استبداد کے باوجود مُسلمانوں کو من حیث القوم دماغی طور پر مغلوب یا مفتوح نہ کر سکے۔

ادھر زمانہ اس حال میں تھا کہ اشجع شخصیتیں رزمگاہِ شہادت میں قربان ہو رہی تھیں ادھر اس زمانہ ہی میں نادرۂ روزگار وجود دین کے افق پر طلوع ہو رہے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ اور ان کا خاندان اس عہدِ انحطاط ہی کا اُجالا تھا۔ سیّد احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل اس دور ہی میں ولولۂ جہاد پیدا کرتے ہوتے بنگال سے سرحد تک گئے تھے۔ المختصر مسلمانوں کا دینی اور تہذیبی سرمایہ اس دور ہی میں اپنی رفعت کو پہنچ رہا تھا، لیکن مُسلمانوں میں جسمانی عجز وارد ہو چکا تھا۔ اُن کا ذہنی علو معراج پر تھا۔ تمام یگانہ و بیگانہ رکاوٹوں کے باوجود مُسلمانوں کے ذہن جہاد سے معمور تھے۔ انگریزوں کو ایک سو برس کی تگ و تاز

میں بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کے لیے جہاد حیاتین (وٹامن) کا درجہ رکھتا ہے اور وہ اس سے سرشار ہیں ان میں علماء نے قرآن کی اساس پر ایک ایسی رُوح پھونک دی ہے کہ جہاد کا ہیجان ان کے شریانوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ جس طرح بعض نظریے انسانی فطرت میں دخیل ہو کر ان کی فطرت بن جاتے ہیں اور انہیں موت کی آخری ہچکی تک علیحدہ نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح جہاد کو مسلمانوں کے جسد سے خارج کرنا ممکن نہیں۔ وہ بہمہ وجوہ اس کے شیدائی ہیں۔ انگریزوں کی دُور اندیشی کے نزدیک مسلمانوں کی فطرت کا یہی حصہ خطرناک تھا۔ وہ کئی واسطوں سے محسوس کرتے تھے کہ اپنے بہیمانہ تشدد سے انہوں نے مسلمانوں کو ضرور دبا لیا ہے اور وہ لاچار ہو کر سپر انداز ہو گئے ہیں لیکن ان میں دو چار فیصد غدار پیدا کیے جا سکتے ہیں۔ کچھ فی صد لاچار بھی نکل آئیں گے، لیکن قلبی وفادار پیدا کرنا ناممکن ہے۔ اُن کے دل بہر حال باغی ہیں اور اس بغاوت کو حکومت کی معرفت فرو کرنا ممکن نہیں۔

انگریزوں نے سلطنت کی فتحیابی کے بعد مسلمانوں کی مِلّی وحدت کے حصار میں شگاف پر شگاف پیدا کرنے شروع کیے اپنے ہمنوا علماء کی ایک جماعت اُٹھائی۔ سیّد احمد شہیدؒ، شاہ اسمٰعیلؒ اور مجاہدین کا زور توڑنے کے لیے انہیں وہابی قرار دیا تاکہ اَن پڑھ مسلمانوں کے ذہنی تنفر سے فائدہ اٹھا سکیں۔ انہی دنوں حجاز میں ترک اپنے مخالفوں کو اسی الزام سے مارتے اور کچلتے تھے۔ انگریزوں نے ہندوستان میں اس سے کما حقہٗ فائدہ اُٹھانا چاہا، لیکن جماعتِ مجاہدین کو زیر کرنا، یا اس کے ہمہ گیر اثرات کو توڑنا سخت دشوار تھا۔ جہاد ایک ناقابلِ تسخیر جذبہ تھا۔ انگریزوں کو شمال مغربی سرحد سے جو خدشہ تھا، وہ جماعتِ مجاہدین کی بدولت ان کی سلطنت کے لیے، کئی حادثوں کا سبب ہو سکتا تھا اور اب وہ اسی غرض سے جہاد کا قلع قمع چاہتے تھے۔ غرض ان کے سامنے ہندوستان میں برطانوی عملداری کو استحکام دینے کے لیے چار سوال تھے:

۱۔ ہندوستان میں برطانوی سلطنت کی درازیٔ عمر اور سیاسی استحکام اسوقت تک ناممکن ہے، جب تک مسلمانوں میں رُوحِ جہاد کار فرما ہے۔

۲۔ مسلمانوں اور ہندوؤں میں مغائرت و منافرت کیونکر پیدا کی جا سکتی ہے۔ اب تک عقیدوں کی ضد کے باوجود اُن کے ذہنوں میں تصادم نہیں تھا۔ دونوں مذہبی بُعد کے باوجود انگریزوں سے متحد ہو کر لڑے تھے اور تب سوال صرف مسلمانوں کی بادشاہت کا تھا۔

۳۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام پر رکیک حملوں کا محاذ کھولا جائے۔ اس طرح مسلمان جہاد سے روگردان ہو کر

مدافعت کے محاذ پر آجائیں گے۔ مجادلہ کی جگہ مناظرہ لے گا۔ جہاد کا خدشہ مٹے گا۔ مسلمانوں کی کایا کلپ ہوگی؛ نتیجتہً برطانوی سلطنت کے استحکام کی راہیں ہموار ہوں گی۔

۴۔ مسلمانوں میں نئے اور پرانے فرقوں کی معرفت متحارب و متصادم عقائد پیدا کئے جائیں، جن سے ان کی ملّی وحدت پراگندہ ہو جائے اور وہ باہمی نفاق کی مخلوق ہوں۔

انگریز ہر چہار سوالوں کا جواب پیدا کرنے میں کامیاب رہا۔ اُس نے بعض مراحل گذر جانے کے بعد، ہندوستانی مسلمانوں کی اجتماعی طاقت کو پہلی جنگِ عظیم کے آغاز تک اس قدر لاغر کر دیا کہ مسلمان نظر بہ ظاہر مسلمان ہی تھے، لیکن ان کی اکثریت یمین و یسار کے تذبذب کا شکار ہو کر غلامی پر قانع ہوگئی۔ ہندوؤں نے آزادی کا سفر شروع کیا، تو مسلمان اس سے بدظن تھے، جس قوم کے نصب العین کا تسلسل جہاد پر تھا، اُس نے انگریزوں کی خاطر، خلافتِ عثمانیہ کو فساد فی الارض کا مرتکب قرار دے کر عربوں اور ترکوں کے خلاف جہاد کیا۔

انگریزوں کی پریشانی کا اندازہ، ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" OUR INDIAN MUSSALMANS سے ہو سکتا ہے۔ اُس نے واضح طور پر لکھا ہے کہ مسلمانوں میں جہاد کا تصور ان کی سلطنت کے لیے ایک مستقل خطرہ ہے۔ انگریزوں نے ایک طویل استبداد کے بعد یہ محسوس کیا کہ بہیمانہ تشدد اجتماعی ہو یا انفرادی مسلمانوں سے اس جذبہ کو محو نہیں کر سکتا، تو انہوں نے جہاد کے خلاف مباحث پیدا کر کے علماء سے فتوے حاصل کرنا شروع کیے اور کلام اللہ کی تفسیروں کا مزاج بدلوانا چاہا۔ ڈاکٹر ہنٹر کی محوّلہ کتاب سے اُن علماء و فضلاء کا پتہ چلتا ہے جو اس وقت تنسیخِ جہاد کا فتویٰ دے رہے تھے۔ کتاب کے آخر میں مکہ معظمہ کے حنفی، شافعی اور مالکی مفتیوں کا فتویٰ درج ہے جو ان سے حاصل کیا گیا اور ہندوستان کے مسلمانوں میں شد و مد سے تقسیم کیا گیا۔ استفتاء تھا کہ ہندوستان کے عیسائی حکمران اسلام کے تمام احکام مثلاً صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ وغیرہ میں مداخلت نہیں کرتے تو کیا ہندوستان دارالاسلام ہے کہ نہیں؟ ہر سہ مفتیوں نے ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کا فتویٰ دیا اور لکھا کہ ہندوستان دارالحرب نہیں اور جہاد دارالحرب میں جائز ہے۔ ہنٹر نے اس فتویٰ کو عیاری قرار دیا۔ اور اس سے بھی جہاد کے معنے پیدا کیے۔ ایک دوسرا استفتاء بھاگل پور میں کمشنر کے پرسنل اسسٹنٹ سیدامیر حسین کی طرف سے تھا۔ اس کا جواب، ۱۷ جولائی ۱۸۷۰ء کو شمالی ہند کے نو علماء کی طرف سے تھا۔ ان علماء میں سے سات لکھنؤ،

اور وہ رامپوری تھے۔ اُنہوں نے لکھا کہ اس ملک میں جہاد واجب نہیں۔ ایک پخ یہ بھی لگائی ہے کہ جہاد کیا جائے، تو اس میں مسلمانوں کی فتح اور اسلام کی برتری کا قیاس غالب ہو۔ اگر اس قسم کے قیاس کا امکان نہ ہو تو جہاد ناجائز ہے۔ جن علماء کے نزدیک ہندوستان دارالاسلام تھا اور جہاد واجب نہیں تھا، ان کی مخالفت کرتے ہوئے محمڈن سوسائٹی کلکتہ کی جانب سے مولوی کرامت علی نے لکھا کہ اگر کوئی شخص دارالسلام کے مفروضہ پر انگریز حکمرانوں سے جنگ کرتا ہے، تو مسلمان عوام اپنے حکمرانوں کا ساتھ دینے کے شرعاً پابند ہیں۔ انہی دنوں سرکاری مسلمانوں نے کلکتہ میں ایک جلسہ کیا۔ مولوی کرامت علی جونپوری، شیخ احمد آفندی انصاری، مولوی عبدالحکیم اور خان بہادر، مولوی عبداللطیف نے جہاد کے خلاف تقاریر کیں۔ شیخ آفندی کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا کہ آپ مدینہ منورہ کے معزز شہری اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ آفندی نے اسی شرف کے تحت انگریزوں کی وفاداری پر زور دیا اور جہاد سے پرہیز کا اعلان کیا۔ ڈاکٹر ہنٹر نے شیخ احمد آفندی کی مذکورہ تقریر اپنی کتاب کے حاشیہ میں من وعن درج کی اور اس پر پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریک کے سب سے بڑے مخالف مولانا فضل حق خیر آبادی (۱۸۶۱ء) ایجنٹ دہلی کے محکمہ میں سرشتہ دار اور دوسرے مخالف مولوی فضل رسول بدایونی (۱۸۷۲ء) بدایوں میں کلکٹر کے سرشتہ دار تھے۔ انگریزوں نے ان کے علاوہ اُس وقت کے بعض نامور علماء اور کئی ایک جید فضلاء کو سرکاری خدمات کے لیے حاصل کر لیا۔ ان میں مفتی صدرالدین آزردہ (۱۸۶۸ء) مولوی فضل امام خیر آبادی (۱۸۲۹ء) اور خیر آباد کے علماء کا پورا قبیلہ تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی نامور لوگ تھے۔ انہوں نے منصب افتاء وقضاۃ سے انگریزوں کی منشاء کے مطابق تنسیخ جہاد کے فتوے جاری کیے اور اس طرح انگریزی اقتدار کو بحال و مضبوط کیا۔ انگریزوں نے تحریک مجاہدین کو وہابی کہکر اپنے ہمنوا علماء کے ہاتھ میں ایک ہتھیار دے دیا۔ پھر جو شخص انگریزوں کا باغی تھا، اُس کو وہابی کہہ کر پٹوایا۔ اُن دنوں 'وہابی' اور 'باغی' مترادف الفاظ تھے۔

نوبت بہ اینجا رسید کہ علماء سوء نے عوام کو بھڑکا کر مسجدوں میں ان کا داخلہ روک دیا۔ سر عبدالرحیم نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس ۱۹۲۵ء کے صدارتی خطبہ میں بیان کیا تھا کہ بنگال میں وہابی تحریک کی آڑ لے کر مسلمان زمینداروں کی تمام املاک، جو وسعت میں بنگال کا ایک چوتھائی تھا، انگریزوں نے ضبط کر لی اور اُنہیں افلاس و نامرادی کے حوالہ کر دیا اور وہ دربدر ہو گئے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی ان علماء میں سے تھے جنہوں نے مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت کی چھاڑ کا آغاز کیا اور اس کو آڑے ہاتھوں لیا۔ وہ مقتل معنوں میں وہابی تھے اور انہیں وہابی ہونے کی سزا کا اندازہ تھا۔ اُنھوں نے انگریزوں کی حمایت کو واجب قرار دیا اور اس کے عوض گورنر جنرل سے وہابی جماعت کے لیے اہلحدیث کا نام حاصل کیا۔

مولوی محمد حسین بٹالوی (۱۳۲۸ھ) نے جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" فارسی میں تصنیف کیا۔ اس کے مختلف زبانوں میں ترجمے کیے گئے۔ پنجاب کے دو گورنروں نے اس پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ اس کے انگریزی، عربی اور اُردو متن کی ہزارہا کاپیاں ملک سے باہر بھیجی گئیں۔ مولانا مسعود عالم ندوی نے ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک میں لکھا ہے کہ اس کے عوض مولوی صاحب کو جاگیر عطا کی گئی۔ اُنکے نزدیک پوری کتاب تحریف و تلبیس کا عجیب و غریب نمونہ ہے۔

ہندوستان میں دیوبند کا وجود انگریزوں کے لیے سوہانِ روح تھا۔ اس کا توڑ پیدا کیا گیا لیکن وہ توڑ نہیں خلفشار تھا۔ سر سید نے علیگڑھ کی بنا ڈالی، تو مسلمانوں کی نئی پود میں، حکومت انگلشیہ سے تعاون کی نیو اٹھائی۔ سر سید صاحب دل انسان تھے۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ مسلمانوں کا ٹوٹا ہوا ڈھانچہ اب اسی طرح بن سکتا ہے کہ وہ مغربی تعلیم حاصل کریں۔ انگریزوں کی نگاہوں میں اپنے کسی تصور کے تحت کھٹکیں نہیں اور سیاست سے بالاتر ہو کر تعلیم کے ہو جائیں۔ دیوبند اور علیگڑھ دو مختلف دھارے تھے۔ دیوبند جہاد کا ذہن تھا اور علیگڑھ تعاون کا ذہن تھا، لیکن اس کے باوجود آپس میں دست و گریبان نہ تھے۔ انگریز دیوبند کو اپنے لیے خطرہ سمجھتا تھا، اسی لیے بعض شرعی وجوہ اور دینی سلسلے پیدا کیے گئے جنہوں نے تنسیخ جہاد کی مخفی کارگزاری کے تحت فروعی مسائل کو حقیقی مسائل بنا دیا۔

بعض چیزیں پیش آمدہ حالات میں ناگزیر تھیں، لیکن اپنے مقاصد کی پیوندکاری کے بغیر انگریز کوئی سا اصلاحی قدم نہ اٹھاتا۔ مثلاً فورٹ ولیم کالج (۱۸۰۰ء تا ۱۸۲۰ء) کا قیام، اُردو ادب کا رُخ پھیرنے کی ایک تحریک تھا۔ اس تحریک کے مافی الضمیر میں مسلمانوں کے ذہن کو خلافِ استعمار رجحانات سے پلٹا دینا تھا، چنانچہ اس زمانہ میں اہلِ قلم کی پوری کھیپ (الا ماشاءاللہ) ادب برائے ادب کی ہو کے رہ گئی۔ انگریز مطمئن ہو گیا، شاعری کا مزاج بھی پلٹ گیا۔ اس میں نعرۂ رستخیز نہیں تھا اور نہ ہونا چاہیے تھا۔ جن لوگوں نے نثر کا مزاج بدلا اور انکی نثر مسلمانوں کی نئی پود کا ذہنی احاطہ کر گئی۔ اس کے بانی سر سید احمد تھے۔

نثر کا چھٹا دور جو ۱۸۵۷ء کے بعد شروع ہوا، اُس کے عناصر اربعہ محمد حسین آزاد، ذکاء اللہ دہلوی، ڈپٹی نذیر احمد اور خواجہ الطاف حسین حالی تھے۔ ان کے نثری کارناموں پر تبصرہ کرنا اس مضمون سے خارج ہے ـــ لیکن ڈپٹی نذیر احمد اور ذکاء اللہ دہلوی برطانوی اقتدار سے غایت درجہ مخلص تھے۔ محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر کو دہلی کالج کے ایک استاد مسٹر ٹیلر کے قتل کی پاداش میں جنرل ہڈسن نے گولی سے اڑا دیا۔ اور یہ کوئی معمولی داغ نہ تھا، لیکن انگریزوں نے اپنے دام تزویر کو جس طرح پھیلا رکھا تھا۔ اُس کے سحر سے انگریزی حکومت نے محمد حسین آزاد کو حاصل کیا اور چار آدمیوں پر مشتمل ایک جاسوسی مشن ۱۸۶۵ء میں وسطی ایشیا روانہ کیا۔ اس مشن میں پنڈت من پھول، محمد حسین آزاد، منشی فیض بخش پشاوری اور لالہ کرم چند تھے۔ آزاد نے روسی ترکستان کے مختلف علاقوں میں اپنے سیاسی فرائض کی بجاآوری میں سخت سے سخت مصائب برداشت کیے، مختلف روپ دھارے، ان کے اپنے الفاظ ہیں کہ "میں ۱۸ مہینے وسطی ایشیا کے دورانِ سفر ریگستان میں مارا مارا پھرتا رہا۔ بعض اوقات میری جان خطرے میں پڑ گئی"۔ لیکن ان خدمات کے صلہ میں ملا کیا۔ تین سو روپے کا انعام اور ایک سو روپیہ ماہوار تنخواہ۔ اس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں اُستاد کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔

ڈپٹی نذیر احمد ۶ دسمبر ۱۸۳۶ء کو پیدا ہوئے، ۳ مئی ۱۹۱۲ء کو فالج کے حملہ سے رحلت کر گئے جس زمانہ میں مسئلہ جہاد انگریزوں کے لیے ایک مستقل خطرہ تھا۔ اُس زمانہ میں آپ نے شاہ عبدالقادرؒ کے بعد پہلا ترجمہ کیا۔ تب شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کو ۱۰۹ برس گذر چکے تھے۔ آپ کا ترجمہ ۱۷۹۰ء میں طبع ہوا تھا اور ڈپٹی صاحب کا ترجمہ ۱۸۹۹ء میں ـــ انگریز مسئلہ جہاد کی بیخ کنی اپنی وفاداری بشرطِ استواری کے لیے علماء کی ایک کھیپ سے کام لے رہا تھا۔ ڈپٹی صاحب نے اس ترجمہ کے بعد ۱۹۰۶ء میں الحقوق والفرائض لکھی۔ اس کے بعد ۱۹۰۸ء میں الاجتہاد ـــــ!

سر ولیم میور ۱۸۶۸ء میں یو۔پی کا لیفٹیننٹ گورنر تھا۔ اس بدبخت نے رسولِ اکرمؐ کے خلاف ہندوستان میں سب سے پہلے تحریری بدزبانی کی نیو رکھی اور ایک کتاب حیاتِ محمدؐ (LIFE OF MUHMMUD) تصنیف کی۔ اُس نے لکھا کہ انسانیت کے دو سب سے بڑے دشمن ہیں محمدؐ کی تلوار اور محمدؐ کا قرآن۔ (نعوذ باللہ) اسی بدبخت نے علیگڑھ کی پہلی عمارت ایم۔ اے۔ او سکول کا سنگِ بنیاد رکھا ـــ وہ قرآنِ محمدؐ سے عناد کے باوجود ڈپٹی نذیر احمد پر انتہائی مہربان تھا۔ اُس نے اپنی گورنری کے زمانہ میں نذیر احمد کو

ان کی بعض تصانیف پر گراں قدر انعامات عطا کیے، کئی تعریفی ریویو لکھے۔ شمس العلماء کا خطاب دلوایا۔ پھر جب سبکدوش ہو کر انگلستان واپس گیا، تو اڈنبرا یونیورسٹی کا چانسلر ہو گیا اور ڈپٹی صاحب کو ایل۔ ایل۔ ڈی کی ڈگری عطا کی۔ اسکا وادِ سببِ انگریزی اقتدار کی طاعت میں ڈپٹی صاحب کی تفسیر اور حمایت میں بعض دوسری تحریریں تھیں۔ انہوں نے اطیعوا اللہ اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم میں اولی الامر کا مصداق انگریزوں کو ٹھہرایا تھا۔

نذیر احمد نے لکھا کہ ـــــ خدا نے حکام وقت کی اطاعت فرض کر کے احکام شریعت کو ہمارے حق میں خود معطل کر دیا ہے۔ مزید فرمایا کہ احکام شریعت کا مقصود قیام امن ہے اور یہ مقصد انگریزی قانون سے بھی حاصل ہے۔ فرق صرف تدابیر یعنی طریق کار کا ہے۔ "الحقوق والفرائض" حصہ دوم کے صفحہ ۱۳ پر لکھا ہے کہ" ہمارے لیے انگریزی قانون بھی اسلامی شریعت ہے۔" اس کتاب میں جہاد کا باب قائم نہ کرنے پر جو معذرت کی ہے اس میں لکھا ہے کہ :

"جس طرح احکامِ زکوٰۃ مفلس سے جو مالک نصاب نہ ہو اور احکامِ حج نامستطیع سے متعلق نہیں، اسی طرح احکامِ جہاد مسلمانانِ ہند سے متعلق نہیں . . . . ہم نے جہاد کا باب اس لیے قائم نہیں کیا کہ کہیں عوام کالانعام کے لیے، سرودبستان یاد و ماندن نہ ہو جائے۔"

مشہور فاضل ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے ڈپٹی نذیر احمد سے متعلق صحیح کہا ہے کہ ان کا اسلام انگریزوں کے ہاں گرو ہو چکا تھا۔ اور یہ ایک المیہ تھا کہ ایک طرف ملک کے طول و عرض میں علمائے حق پر جہاد کی پاداش میں مقدمہ چلا کر انہیں موت یا کالاپانی کی سزائیں دی جا رہی تھیں، دوسری طرف اہل قلم کا ایک نامور گروہ مسلمانوں میں انگریزی حکومت کی وفاداری کی ذہنی آبیاری کر رہا تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مذہب کا اختلاف شروع سے تھا، لیکن ان میں وہ تصادم نہیں تھا جو انگریز چاہتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے اس تصادم کی فصل کاشت کرنا شروع کی اور اس میں بہت جلد کامیاب ہو گئے۔ انہیں ملال تھا کہ ہندو مصنفین اپنی کتابوں کا آغاز بسم اللہ سے کرتے اور فارسی و اردو میں رنگے ہوئے ہیں۔ اس چیز کو انہوں نے بہت جلد ختم کیا۔ حتیٰ کہ تعلیم کو یورپی سانچے میں ڈھال کر ہندو مسلم بنا ڈالا۔ پھر وہ اردو جو کبھی مشترکہ تھی مسلمانوں کی ہو گئی۔ یہ ایک طویل روداد ہے، لیکن اس کتاب کا حصہ نہیں ؛ ورنہ ہم بیان کرتے کہ ہندو مسلم اختلاف کیونکر تصادم بنا اور انگریزی استعمار نے اپنی اس خواہش کو کیونکر پروان چڑھایا۔ جن لوگوں کے پیشِ نگاہ

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈھائی سو سال (۱۶۰۸ء تا ۱۸۵۷ء) کے لیل و نہار ہیں اور اس کے ۲۵ سالہ دورِ حکومت (۱۸۳۳ء تا ۱۸۵۸ء) کے واقعات ہیں۔ پھر اس کے بعد ۱۸۵۹ء تا ۱۸۸۴ء کی سیاست کے ۲۵ سال ہیں۔ مزید برآں مسٹر بیک پرنسپل علیگڑھ کالج (۱۸۰۵ء تا ۱۸۹۹ء) ان کے جانشین مسٹر ماریسن ۱۹۰۰ء تا ۱۹۰۵ء اور ان کے جانشین آرچیبالڈ (۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۰ء) کے اعمال و افکار کی سرگزشت ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ ہندو مسلم کیونکر متحارب قومیں ہوگئیں اور انگریزوں نے کس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کو دست و گریبان کرکے دم لیا اور یہی ان کی سیاست کا مقصود تھا۔ اگر ہندو اور مسلمان متحد رہتے تو انگریزی حکومت کے لیے سکون نہ تھا۔ "تفریق ڈالو اور حکمرانی کرو" ان کا اصولِ حکومت تھا اور وہ اس کی آبیاری ہی سے ہندوستان میں اپنی حکومت کو طول دے کر مستحکم کرسکتے تھے۔ جب اُن کے پاؤں اچھی طرح جم گئے تو مسلمانوں کو مجادلے کی طرف سے پلٹا دینے کے لیے انگلستان سے پادریوں کی ایک کھیپ درآمد کی گئی۔ انہوں نے یہاں آکر قرآن و اسلام پر رکیک حملوں کا آغاز کیا۔ حضور سرورِ کائنات کی ذات پر کیچڑ اچھالا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علماء جواب تک جہاد کے محاذ پر تھے، اُس سے ہٹ کر مناظرے کے میدان میں آگئے اور صورتحال یکسر تبدیل ہوگئی۔ اب مسلمانوں کے لیے یہ مسئلہ تھا کہ وہ اپنے ذہن کی سچائی کیونکر قائم رکھ سکتے ہیں۔ اس سے بڑی خطرناک بات کیا ہوسکتی ہے جیسا کہ اوپر لکھا کہ سر ولیم میور نے یو پی کا گورنر ہوکر حضور سرورِ کائنات کی ذات مبارک کے خلاف دریدہ دہنی کی۔ اور حیاتِ محمدؐ لکھ کر زہر اُگلا۔ سر سیّد احمد جو انگریزی حکومت سے تعاون میں پیش پیش تھے، انہوں نے بھی اس کتاب کے زہر کو محسوس کیا اور "خطباتِ احمدیہ" کے نام سے جواب لکھا، لیکن انگریز اپنی چال میں کامیاب رہا کہ عامۃ المسلمین کے لیے اصل مسئلہ اب اسلام کا دفاع اور سیرت النبی کی نشر و اشاعت ہوگیا۔ ایک دوسرا مسئلہ انگریزوں کے سامنے یہ تھا کہ مسلمانوں کی ملی وحدت پارہ پارہ ہو۔ اس کی شکل یہ نکالی کہ بعض نئے فرقوں کو جنم دیا انہیں پروان چڑھایا یا انکا ہاتھ بٹایا۔ ہم ان فرقوں کا نام لیکر اپنے اس مضمون کو مجروح کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن ان فرقوں نے پیدا ہوکر تمام علماء کے خلاف یُدھ رچایا، جو انگریزی حکومت کا شکار ہونے سے انکار کرچکے اور برطانوی اقتدار کے خلاف تھے ان نوزائیدہ فرقوں نے نہ صرف مسلمانوں کی وحدت توڑ ڈالی بلکہ کفر کا ایک نیا دفتر کھولا۔ وہ تمام لوگ کافر قرار پائے جو استقلال و عزیمت میں ڈھلے ہوئے آزادی کی جدّ و جہد میں شریک تھے۔ ان نوساختہ فرقوں کے پیشواؤں نے انگریزی حکومت کی رضا جوئی لازمۂ دین سمجھا اور ہمیشہ اس کی خوشنودی کو ملحوظ رکھا۔ جن علماء نے اختلاف کیا، ان پر سب و شتم کیا۔ بسا اوقات کفر کے فتوےٰ جاری کیے۔ مشائخ کے

خانقاہی سلسلوں کو اس طرح منظم کیا کہ وہ اعتکاف کے ہو گئے۔ ان کے لیے جہاد ساقط ہو گیا۔ وہ اس تصور ہی سے خالی الذہن ہو گئے کہ برائی حکومت پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے یا سیاست میں حصّہ لیا جا سکتا ہے۔ پہلی جنگِ عظیم میں پنجاب کے اکثر مشائخ نے برطانوی فوج کے لیے مُریدوں کو بھرتی کروایا اور اُنہیں اس مطلب کے لیے تعویذ دیے کہ ترک فوج کی گولی اُن پر اثر نہیں کرے گی۔ پھر جب انگریزوں کو فتح حاصل ہوئی، تو ان مشائخ نے سر مائیکل اڈوائر گورنر پنجاب کو سپاسنامہ پیش کیا۔ یہ اُس شخص کو خراج تھا، جس نے جلیانوالہ باغ میں عوام کو جنرل ڈائر کی بے روک گولیوں سے بھنوایا تھا۔ الغرض انگریز مُسلمانوں کی مِلّی وحدت کے ٹکڑے توڑنے میں کامیاب رہا اور ایک ایسی فضا پیدا کی جس سے نا مُسلمانوں کے مُسلمان ہونے کا سلسلہ ٹھنڈا ہو گیا۔ لیکن مُسلمانوں نے مسلمانوں کو کافر بنانا شروع کیا۔ اِس خوفناک دراڑ کے باوجود، انگریز اپنی سیاسی ضرورتوں کے تابع مُسلمانوں سے مطمئن نہ تھا۔ چونکہ اس کے ذہن میں خلافتِ عثمانیہ کی بندربانٹ کا منصوبہ تھا، اسلئے وہ محسوس کرتا تھا کہ برطانوی عملداری کے خلاف جہاد کی رُوح مُسلمانوں میں انگڑائی لے کر ہر لحظہ جاگ سکتی ہے۔

— ⁂ —